بقائے نسل انسانی اور ضروریات زندگی

دنیا میں معاشی بنیادوں پر انقلاب کی بنیاد رکھنے والے عظیم فلاسفر کارل مارکس بڑے سادے انداز میں یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ انسان کی بنیادی ضروریات کیا ہیں؟ ایک ضرورت یہ ہے کہ وہ خود زندہ رہے، دوسری ضرورت یہ ہے کہ اس کی نسل زندہ رہے۔ پھر اس کے علاوہ روحانی، جذباتی اور تہذیبی ضروریات بھی ہیں اور سب ہی بہت اہم ہیں، لیکن سب سے زیادہ بنیادی ضرورت تو یہی ہے کہ وہ خود زندہ رہے۔ اگر وہ خود زندہ نہیں رہے گا تو نسل کے زندہ رہنے، روحانی، عرفانی اور تہذیبی ترقی وغیرہ کی نوبت کیسے آئے گی؟ زندہ رہنے کے لیے ظاہر ہے غذا کی ضرورت ہوتی ہے اور غذا حاصل کرنے کا مسئلہ جانور اور قدیم انسان کا مسئلہ بھی تھا اور جدید انسان اور قدیم جانور کا بھی ہے۔ لیکن تاریخ کے ہزاروں سال میں اس مسئلے کی نوعیت بہت بدل گئی ہے۔ جانور اور قدیم انسان کے لیے غذا حاصل کرنے کا مسئلہ سیدھا سادہ تھا۔ یعنی طاقت کے ذریعے یا شکار کر کے غذا حاصل کرنا تھا۔ آج بھی بہت حد تک کچھ ایسا ہی ہے لیکن طاقت کے استعمال اور "شکار" کے طریقے بدل گئے ہیں بلکہ بہت پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ غذا کی تلاش، اس کا حصول اور اس کا استعمال اب ایک وسیع نظام بن گیا ہے۔ جسے "معاشی نظام" کہتے ہیں۔ ہزاروں سال پہلے بھی انسان کی زندگی زیادہ تر غذا کے حصول ہی سے متاثر ہوتی تھی۔ آج بھی صورت حال بنیادی طور پر یہی ہے۔ آج بھی انسان زندگی کے بیشتر عوامل پر معاشی نظام ہی اثر انداز ہوتا ہے۔ لیکن اس دور میں انسان کا معاشی نظام بہت پیچیدہ ہے۔ غذا اب صرف کھانے پینے والی اشیاء تک ہی محدود نہیں رہی۔ بلکہ انسان کی بیشتر مادی ضروریات بہت حد تک اس کی "غذا" کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ سارا مسئلہ مادی ضروریات کو پیدا کرنے کا ہے۔ پیداوار کیونکر بڑھائی جائے؟ پیداوار کون لوگ بڑھاتے ہیں؟ جو لوگ غذا پیدا کرتے ہیں انھیں اپنی غذا میں سے کتنا حصہ ملتا ہے؟ منافع میں کتنا حصہ ملتا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ: دکھ سہیں بی فاختہ اور کوے انڈے کھائیں......! مناسب طریق یہ ہے کہ ذرائع پیداوار چند ہاتھوں میں نہ رہے بلکہ پوری قوم کے اختیار میں آ جائیں تاکہ منافع صرف ایک طبقے کو نہ ملے بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکے قوم کے سب افراد میں تقسیم ہو جائیں اور اسی طرح معاشی مساوات قائم ہو۔

مارکس کے نزدیک انسانی معاشرہ اوپر تلے دو منزلوں پر قائم ہے۔ پہلی منزل، جو مارکس کے نزدیک معاشرے کی بنیاد ہے، معاشی منزل ہے یعنی انسان کی معاشی ضروریات کی منزل۔ اس منزل میں روٹی، کپڑا اور مکان وغیرہ شامل ہیں۔ دوسری منزل جو پہلی منزل پر تعمیر ہوتی ہے اسے قانونی یا سیاسی منزل کہا جا سکتا ہے۔ سیاسی اور سماجی قوانین ایک معاشرہ تعمیر کرتے ہیں اور ایک حکومت یا ریاست وجود میں آتی ہے۔ اس طرح دیگر سیاسی، سماجی، تہذیبی، مذہبی ادارے وجود میں آتے ہیں۔ مادی زندگی میں ذرائع پیداوار ہی عمومی طور پر ہمارے سماجی، سیاسی اور ذہنی صورت گری نہیں کرتے بلکہ زندگی انسانی شعور اور تصورات کا تعین کرتی ہے۔ مارکس کے اس نظریے کے لحاظ سے انسان کی بیشتر ذہنی اور جذباتی زندگی کی اصل محرک اس کی معاشی زندگی قرار دی جاتی ہے۔ دنیا میں ہر انسان اپنی معاشی حالت کو بہتر سے بہتر کرنے کی سعی میں لگا ہوا ہے۔ معاش کی اس جنگ میں فرد طبقوں اور گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ طاقتور کمزور کا استحصال کرنے کے لیے اپنے ساتھ مزید طاقتور شامل کرتا ہے۔

یوں معاشرہ طبقات میں تقسیم ہوتا جاتا ہے۔ یہ ایک محلے سے نکل کر شہر، ملک اور دنیا میں پھیل جاتا ہے۔ پھر طاقتور ملک کمزور ملکوں کے وسائل پر ناجائز قبضہ کر کے اپنی معاشی حالت مزید بہتر کرتے جاتے ہیں اس کام میں وہ اکیلے نہیں ہوتے بلکہ اپنے جیسے کئی ممالک کو بھی حصہ دار بنا لیتے ہیں۔ بین الاقوامی قوانین اور اصول بھی ایسے بنائے جاتے ہیں جس سے کمزور کا ہی استحصال ممکن ہو۔ حال ہی میں UN کی ایک رپورٹ شائع ہوئی جس کے مطابق دنیا میں موجودہ معاشی بحران آئندہ بیس برس میں اتنا بڑھ جائے گا کہ اس سے غذائی قلت خطرناک حد سے تجاوز کر جائے گی۔

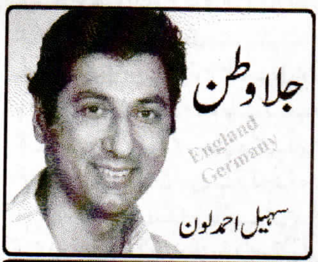

sohailloun@gmail.com

رپورٹ کے مطابق 2030ء تک غذا کی قیمت میں 50 فیصد اضافہ ہو جائے گا اور اس کی پیداوار میں 50 فیصد کمی واقع ہو جائے گی۔ آبادی کے بڑھتے ہوئے تناسب کو دیکھ کر 2030ء تک غذائی قلت اتنی شدید ہو جائے گی جس سے دنیا فاقوں کی زد میں آنے کا امکان ہے۔ ایسی ہی ایک پیشنگوئی مغربی ممالک میں مقیم ایک مذہبی پیشوا نے بھی کی ہے کہ اگر امریکہ نے ایران پر حملہ کیا تو جنگ کا دائرہ کار ایران تک ہی محدود نہیں رہے گا بلکہ اس کا اثر یورپ اور برطانیہ تک بھی آ سکتا ہے جس سے یہاں مقیم باشندوں کو بھی غذائی قلت کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اس کے بعد کئی لوگ نے گھروں میں کھانے پینے کا سامان جمع کرنا بھی شروع کر دیا ہے۔ دنیا کا جائزہ لیا جائے تو ہمارا خطہ بہت زرخیز ہے اور قدرتی وسائل سے مالا مال بھی ہے۔ امریکہ اور اس کے حواری ''آج'' تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ وہ آئندہ پچاس سال کا پلان بھی سوچ کر رکھتے ہیں۔ تو بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ آئندہ بیس برس میں پیدا ہونے والا غذائی قلت کے بحران سے نمٹنے کے لیے وہ کوئی لائحہ عمل تیار کر کے نہ بیٹھیں ہوں۔

اگر گزشتہ چند برس سے آج تک ان کے اعمال دیکھ لیں تو ان کے عزائم کا پتہ چل سکتا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اپنی معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لیے کسی حد تک بھی جا سکتے ہیں۔ اپنے مقصد کے حصول کے لیے یہ خود تو "جمع □" یعنی متحد والے فارمولے پر عمل پیرا ہوتے ہیں جبکہ ہمیں "تقسیم □" یعنی نفاق میں ڈال دو۔ پہلے تقسیم ہند ...... پھر پاکستان تقسیم ہو گیا، اب باقی ماندہ ملک کو بھی "تقسیم در تقسیم" کے فارمولے سے حل کیا جا رہا ہے۔ اس جمع اور تقسیم کے حساب میں غریب عوام ہمیشہ ہی کاری "ضرب" کا شکار ہوتے ہیں۔ امریکہ میں بلوچستان کے متعلق پیش ہونے والی حالیہ قرارداد بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ حیرانگی کی بات ہے کہ ہمارے ملک کے چند صحافی حضرات کے نزدیک اس قرارداد کو زیادہ سیریس لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کے نزدیک ایسی کئی قراردادیں وہاں پیش ہوتی رہتی ہیں بقول ان کے اگر قراردادوں سے کچھ ہونا ہوتا تو آج تک کشمیر آزاد ہو چکا ہوتا۔ جبکہ تاریخ یہ کہتی ہے کہ ہر وہ قرارداد جس میں ان کا فائدہ ہو اس پر عمل درآمد کرتے یا کرواتے ان کو کسی سے اجازت لینے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ سب ٹھیک ہے فکر کی کوئی بات نہیں...... ایسا ہی سقوطِ ڈھاکہ سے ایک دن قبل تک بھی کہا جاتا رہا تھا۔

بلوچستان کی قرارداد امریکن پارلیمنٹ میں پیش آنے کی نوبت کیوں آئی؟ بلوچستان کے ساتھ ایسا ناروا سلوک کیوں برتا گیا؟ بلوچستان میں جلتی پر تیل ڈالنے سے امریکہ اور اس کے حواریوں کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ ایران پر ہاتھ ڈالنے کے لیے بلوچستان کی زمین کیا کردار ادا کر سکتی ہے؟ کیا یہ قرارداد صرف بلوچستان تک ہی محدود رہے گی؟ کیا امریکہ اور اس کے حواری صرف ایران کو سبق پڑھا کر واپس چلے جائیں گے؟ کیا امریکہ اور اس کے حواریوں کو پاکستان کے ایٹمی اثاثے اور ایران کے جوہری پروگرام ہی آنکھ کا کنکرہ ہیں یا تیزی سے توانا ہوتا ہوا چین بھی اس کا چین حرام کر رہا ہے؟ کیا غذا کی ممکنہ قلت کو پورا کرنے کے لیے ہمارے خطے سے بہتر کوئی اور خطہ بھی ہے؟؟

مشہور فلسفی ابن خلدون کی رائے میں قوموں کا زوال اس وقت شروع ہوتا ہے جب برسراقتدار گروہ ملک کی پیداوار کے تمام وسائل پر قبضہ کر لیتا ہے اور دیگر تمام طاقتوں مثلاً فوج کو بھی اپنا ہم خیال بنا لیتا ہے۔ جب حاکم گروہ کو پیداوار اور دولت کے حقیقی وسائل سے استفادہ کرنے کا موقع نہیں ملتا تو وہ دولت اور سرمایہ حاصل کرنے کے لیے مختلف طریقے استعمال کرتا ہے۔ مثلاً حاکم گروہ بیرون ملک طاقتوں سے امداد حاصل کرتا ہے۔ چونکہ حاکم گروہ کو اپنے سامانِ تعیش کے لیے زیادہ رقم کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے وہ یہ رقم زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگا کر عوام سے وصول کرتا ہے۔ آخر کار نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک میں معشیت کمزور ہوتی چلی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں ملک کا انصرام حقیقی معنوں میں حاکم گروہ کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اہل دولت اور

The Nation
نیشن
لندن
جمعہ ۱۶/ مارچ۔ جمعرات ۲۲/ مارچ ۲۰۱۲ء۔ ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

بقائے نسل انسانی اور ضروریات زندگی

جلاوطن
England Germany
سہیل احمد لون
sohailloun@gmail.com

معاشی زندگی قرار دی جاتی ہے۔ دنیا میں ہر انسان اپنی معاشی حالت کو بہتر سے بہتر کرنے کی سعی میں لگا ہوا ہے۔ معاش کی اس جنگ میں فرد طبقوں اور گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ طاقتور کمزور کا استحصال کرنے کے لیے اپنے ساتھ مزید طاقتور شامل کرتا ہے۔

یوں معاشرہ طبقات میں تقسیم ہوتا جاتا ہے۔ یہ ایک محلے سے نکل کر شہر، ملک اور دنیا میں پھیل جاتا ہے۔ پھر طاقتور ملک کمزور ملکوں کے وسائل پر ناجائز قبضہ کر کے اپنی معاشی حالت مزید بہتر کرتے جاتے ہیں اس کام میں وہ اکیلے نہیں ہوتے بلکہ اپنے جیسے کئی مما لک کو بھی حصہ دار بنا لیتے ہیں۔ بین الاقوامی قوانین اور اصول بھی ایسے بنائے جاتے ہیں جس سے کمزور کا ہی استحصال ممکن ہو۔ حال ہی میں UN کی ایک رپورٹ شائع ہوئی جس کے مطابق دنیا میں موجودہ معاشی بحران آئندہ بیس برس میں اتنا بڑھ جائے گا کہ اس سے غذائی قلت خطرناک حد سے تجاوز کر جائے گی۔

رپورٹ کے مطابق 2030ء تک غذا کی قیمت میں 50 فیصد اضافہ ہو جائے گا اور اس کی پیداوار میں 50 فیصد کمی واقع ہو جائے گی۔ آبادی کے بڑھتے ہوئے تناسب کو دیکھ کر 2030ء تک غذائی قلت اتنی شدید ہو جائے گی جس سے دنیا فاقوں کی زد میں آنے کا امکان ہے۔ ایسی ہی ایک پیشنگوئی مغربی ممالک میں مقیم ایک مذہبی پیشوا نے بھی کی ہے کہ اگر امریکہ نے ایران پر حملہ کیا تو جنگ کا دائرہ کار ایران تک ہی محدود نہیں رہے گا بلکہ اس کا اثر یورپ اور برطانیہ تک بھی آ سکتا ہے جس سے یہاں مقیم باشندوں کو بھی غذائی قلت کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اس کے بعد کئی لوگ نے گھروں میں کھانے پینے کا سامان جمع کرنا

ہیں۔ اپنے مقصد کے حصول کے لیے یہ خود تو "جمع □" یعنی متحد والے فارمولے پر عمل پیرا ہوتے ہیں جبکہ ہمیں " تقسیم □" یعنی نفاق میں ڈال دو۔ پہلے تقسیم ہند ...... پھر پاکستان تقسیم ہو گیا، اب باقی ماندہ ملک کو بھی " تقسیم در تقسیم'' کے فارمولے سے حل کیا جا رہا ہے۔ اس جمع اور تقسیم کے حساب میں غریب عوام ہمیشہ ہی کاری "ضرب" کا شکار ہوتے ہیں۔ امریکہ میں بلوچستان کے متعلق پیش ہونے والی حالیہ قرارداد بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ حیرانگی کی بات ہے کہ ہمارے ملک کے چند صحافی حضرات کے نزدیک اس قرارداد کو زیادہ سیریس لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کے نزدیک ایسی کئی قراردادیں وہاں پیش ہوتی رہتی ہیں بقول ان کے اگر قراردادوں سے کچھ ہونا ہوتا تو آج تک کشمیر آزاد ہو چکا ہوتا۔ جبکہ تاریخ یہ کہتی ہے کہ ہر وہ قرارداد جس میں ان کا فائدہ ہو اس پر عمل درآمد کرتے یا کرواتے ان کو کسی سے اجازت لینے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ سب ٹھیک ہے فکر کی کوئی بات نہیں ...... ایسا ہی سقوط ڈھاکہ سے ایک دن قبل تک بھی کہا جاتا رہا تھا۔

بلوچستان کی قرارداد امریکن پارلیمنٹ میں پیش آنے کی نوبت کیوں آئی؟ بلوچستان کے ساتھ ایسا ناروسلوک کیوں برتا گیا؟ بلوچستان میں جلتی پر تیل ڈالنے سے امریکہ اور اس کے حواریوں کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ ایران پر ہاتھ ڈالنے کے لیے بلوچستان کی زمین کیا کردار ادا کر سکتی ہے؟ کیا یہ قرارداد صرف بلوچستان تک ہی محدود رہے گی؟ کیا امریکہ اور اس کے حواری صرف ایران کو سبق پڑھا کر واپس چلے جائیں گے؟ کیا امریکہ اور اس کے حواریوں کو پاکستان کے ایٹمی اثاثے اور ایران کے جوہری پروگرام ہی آنکھ کا کھٹکا ہیں یا تیزی سے توانا ہوتا ہوا چین بھی اس کا چین حرام کر رہا ہے؟ کیا غذا کی ممکنہ قلت کو پورا کرنے کے لیے ہمارے خطے سے بہتر کوئی اور خطہ بھی ہے؟؟

مشہور فلسفی ابن خلدون کی رائے میں قوموں کا زوال اس وقت شروع ہوتا ہے جب برسر اقتدار گروہ ملک کی پیداوار کے تمام وسائل پر قبضہ کر لیتا

خواص مملکت سازش کر کے کسی کمزور اور بے وقوف شخص کو گدی پر بٹھا دیتے ہیں۔ ایسے میں کوئی طاقتور قوم اس پر حملہ کر کے قوم سمیت ان کے تمام وسائل پر بھی قبضہ کر لیتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان اور جانور زمانہ جاہلیت میں جیسے شکار کر کے اپنی غذا کا حصول ممکن بناتا تھا آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی انسان کا فعل وہی ہے بس ذرا انداز اور شکار بدل گئے ہیں۔

جانور کی بھوک تو کچھ کھا کر ختم ہو جاتی ہے مگر انسان کی ہوس کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے شاید کائنات کا سارا پانی بھی کم پڑ جائے۔ ہماری عوام کو اب بیدار ہو جانا چاہیے ورنہ ...... کبوتر آنکھیں بند بھی رکھے تو بلی نے کب معاف کرنا ہوتا ہے۔ اور بقول شاعر

یار بدلے ہیں ، دشمن نہیں بدلے
حکمران بدلے ہیں، انداز نہیں بدلے
ہتھیار بدلے ہیں ، وار نہیں بدلے
زنجیریں بدلی ہیں ، غلام نہیں بدلے
انسان بدلے ہیں، شیطان نہیں بدلے
عذاب بدلے ہیں، اعمال نہیں بدلے

بھی اعداد و شمار کی بات کاغذوں میں اچھی لگتی ہے قرض کتنا لیا اور کتنا ہو گیا اس کا عوام سے کیا تعلق؟ اگر اعداد و شمار پر توجہ ہی دینی ہے تو پھر حکومت کی جانب سے ان کو دیکھا جائے جو عام آدمی کی ترقی و خوشحالی اور بھلائی کے لیے روز جاری کیے جاتے ہیں۔

وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی اچھی اچھی باتیں کرتے ہیں ...... وہ تقریر میں بیان کرتے ہیں پاکستان نے مثال ترقی کی ہے اور آئندہ بھی کریں گے ...... عام آدمی کو اس کا پھل جلد ہی ملنے والا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ دنیا کا کوئی درخت ایسا نہیں ہے جسے لگائیں اور وہ چار سال میں پھل دینا شروع کر دے کم از کم اتنے کہ لگانے والے اور اس کے خاندان کے تمام لوگ کھا سکیں موجودہ جمہوری حکومت کو اقتدار

جا رہا ہے کہ وہ پینسٹھ ہزار ایک سو اکتالیس روپے جمع کرائیں وہ تو کسی معاملے میں تعاون نہیں کرتی ذرا سی بجلی مہنگی ہو، گیس کی قیمت بڑھ جائے پیٹرول کے نرخ زیادہ ہو جائیں وہ شور کرنے لگتی ہے جو ان تمام روایات کے خلاف ہے جنہیں جمہوری حکومت میں ہونا چاہیے۔

حکومت نے بجلی کے بل میں کئی چیزیں وصول کرنا شروع کی ہیں جن میں مہنگائی، ٹیلی ویژن اور کئی چیزیں شامل ہیں ...... کیا اچھا ہو اگر حکومت اپنے لیے ہوئے قرض کی رقم بھی قسطوں میں عوام سے وصول کرنے کے لیے بجلی کے بل میں شامل کر دے جو کم تعلیم یافتہ ہیں ان کی تو سمجھ میں آئے گا ہی نہیں کہ بل کیوں بڑھ گیا اور جو پڑھے لکھے ہیں وہ احتجاج کریں گے لیکن بجلی منقطع ہونے کے ڈر سے ادائیگی بھی کر دیں گے اور مسئلہ حل ہو گیا۔